معاہدۂ اُجرت

مولانا مفتی محمدؐ علیلی صدر شعبۂ افتاء
مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

محنت مزدوری اور تلاش معاش

روٹی کپڑا اور مکان کے ساتھ علاج تعلیم اور پانی کی ضرورت بھی مسلّم ہے۔ ان کے ساتھ بقار حیات کے لیے ذرائع معاش اور اسباب معاش کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ کاشتکاری تلاش معاش کا فطری عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرکے اسے زمین سے معاش پیدا کرنے کا طریقہ سکھلا دیا۔ ایسے داخلی اور خارجی اسباب عطا فرمائے کہ انسان اپنے ہاتھوں اپنی روزی کمانے کا اہل ہوگیا۔

آثار میں ہے آدم علیہ السّلام جب زمین پر اتارے گئے۔ حضرت جبریل علیہ السّلام ان کے پاس گندم کے دانے لائے اور کہا ان کو کاشت کیجئے۔ آدم علیہ السّلام نے کاشت کرکے پانی پلایا۔ کاٹا اور دانے صاف کئے۔ دانے پیسے اور روٹی پکائی۔ وہ ان کاموں سے فارغ ہوگئے۔ عصر کی نماز کا وقت آگیا جبریل علیہ السّلام آئے اور کہا:

ان ربّك يُقرئك السّلام يقول ان صمت بقية اليوم غفرت لك خطيئتك و شفّعتك فى اولادك۔

تیرا ربّ تجھے سلام کہتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر آپ بقیہ دن روزہ رکھ لیں۔ تو میں تیری خطائیں معاف کردوں گا اور تیری اولاد کے بارے تیری شفاعت قبول کروں گا۔

آدم علیہ السّلام اس کھانے کا ذائقہ چکھنے پر حریص تھے۔ تاکہ یہ معلوم کریں کہ اس کھانے کا بھی وہ مزہ ہے۔ جو جنت کے کھانے میں تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عصر کے وقت روزہ دار کو کھانے کا اشتہار بڑھ جاتا ہے[1]

لہ المبسوط للسرخی جلد ۳۵ صہ ۲۴۶

انسان کے لیے خدا تعالیٰ نے آفرنیش عالم سے دنیا کو مسخر کر دیا ہے۔ وہ اس میں حصول مقاصد کیلئے اسباب اور آلات کا موجد ہے۔ جن کے ذریعہ اس نے محیّر العقول گھاٹیوں کو سر کیا ہے۔ جن کا پہلے دَور میں تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

صنعت و حرفت نے ان اسباب میں اتنی فراوانی پیدا کر دی کہ انسان ترقی اور عروج کے اعلیٰ منازل تک پہنچ گیا۔ ابھی سفر جاری ہے۔ خدا معلوم اس کی رفتار کہاں ختم ہوگی۔

اس کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں اور بوقلمونیاں دیکھئے کہ اس میں مختلف قسم کی ضرورتیں اور انسانی مجبوریاں پائی جاتی ہیں جن کا شمار نہیں۔ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے، کوئی شخص اپنی ذات کے اعتبار سے اتنا کامل اور مستغنی نہیں ہے کہ اسے دوسرے سے کوئی واسطہ نہ پڑے۔ وہ اپنی صلاحیتوں اور خدا داد وسائل کو اپنے لیے کافی سمجھے۔ محنت مزدوری۔ ملازمت۔ اجرت اور کرایہ وغیرہ کے توسط سے دوسروں سے تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ہر فریق کا نفع ہے۔ ایک کا کام ہو گیا اور دوسرے کو اجرت مل گئی۔ اس طرح معاشی نظام قائم رہا۔

محنت و مزدوری کے فضائل و دلائل

۱۔ حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ جیسا کہ مروی ہے۔ آپ بھیس بدل کر نکلتے اور لوگوں سے اہل مملکت کے بارے دریافت کرتے تھے۔ ایک دن جبریل علیہ السّلام ایک جوان آدمی کی صورت میں اُن کے سامنے آئے تو اُن سے پوچھا۔

کیف تعرف داؤد ایھا الفتی۔ فقال نعم العبد داؤد إلاّ ان فیہ خصلةً قال وما ھی؟ قال انہ یأکل من بیت المال وان خیر الناس من یّاکل من کسبہ۔

اے جوان تو داؤد کو کیسا سمجھتا ہے اس نے کہا۔ داؤد بہت اچھا آدمی ہے۔ مگر اس میں ایک بات ہے اس نے پوچھا۔ وہ کیا؟ کہا وہ بیت المال سے کھاتا ہے اور بہتر شخص وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے! اس بات کو سنتے ہی

داؤد علیہ السّلام اپنے عبادت خانہ میں لوٹتے زار وقطار رو رہے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے تھے ۔

اللّٰھم علّمنی کسبا تغنینی بہ عن بیت المال

اے اللہ مجھے ایسا کسب سکھا دے جو مجھے بیت المال سے مستغنی کر دے ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی اور لوہے کو آپ کے لیے نرم کر دیا حتیٰ کہ لوہا آپکے ہاتھ میں ایسا ہوگیا جیسا کسی دوسرے کے ہاتھ میں آٹا ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وألنّا لہ الحدید ۔ اور فرمایا ۔ وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم[۱] آپ زرہ بناتے اور ایک زرہ بارہ ہزار دینار پر فروخت کرتے تھے ۔ بالآخر اس زرہ سازی سے اپنی روزی کماتے اور صدقہ کرتے تھے[۲]

صلہ رحمی ۔ آداب معاشرت ۔ رشتہ داری ۔ پڑوس اور پڑوسی کے حقوق ۔ تہذیب وترقی علاقائی اور ملکی دفاع ۔ نظریہ سیاست اور حفظ مذہب جیسی اہم انسانی ضروریات اوران کی متعلقات اتنی طویل ہیں کہ ان کا استقصار مشکل ہے ۔

ان مقاصد کا حصول باہمی تعلقات اور تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے ۔

قدرت کا منشا یہ ہے کہ انسانی دنیا مربوط اور مضبوط ہو ۔ اپنے انجام تک پہنچنے سے پہلے اس کارخانہ کی رونق کم نہ ہو ۔ انسان حلال طیب کھائے اور اچھے عمل کرے ۔

۲ ۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ یایھا الرسول کلوا من الطیبٰت و واعملوا صالحا[۳]

اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبرو تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو ۔

۳ ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس سے گذر ہوا دیکھا چند لوگ سر اوندھا کئے ہوئے بیٹھے ہیں ۔

---

۱ السبار رکوع ۱۲

۲ المبسوط للسرخسی ج ۳۰ ص ۲۴۶

۳ المؤمنون رکوع ۴

وہ قرار تھے ۔ فرمایا یہ کون ہیں ؟ کسی نے کہا ۔
ھم المتوکلون ۔ یہ لوگ متوکل ہیں ، تو آپ نے کہا ۔
کلا ولکنھم المتأکلون یأکلون اموال النّاس ۔
ہرگز نہیں ۔ یہ تو خورندہ ہیں ۔ لوگوں کا مال کھاتے ہیں ۔
اس کے بعد آپ نے کہا
أَلاَ أُنَبِّئکم من المتوکلون فقیل نعم ۔ فقال ھوالذی یلقی الحب فی الارض ثم یتوکل علی ربه عزوجل ۔
کہا میں تمہیں متوکلین کے بارے میں بتاؤں ؟ حاضرین نے خواہش کا اظہار کیا ۔ تو آپ نے فرمایا وہ شخص جو زمین میں دانہ ڈالتا ہے اور پھر اپنے ربّ عزوجل پر توکل کرتا ہے ۔
دوسری روایت میں ہے
یا معشر القراء إرفعوا رؤسکم واکتسبوا الانفسکم[1]
اے قرار حضرات ۔ سر اٹھاؤ اور اپنے لیے روزی کمانے کی فکر کرو ۔
۴ ۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا ۔ افضل اعمال کیا کیا ہیں ؟
آپ نے فرمایا: الصّلواتُ و الخبز ۔ نمازیں اور روٹی[2]
فتعجب الرجل فقال له ابو ذر ویحك لولا الخبز لما عبد الله ۔
آپ کے جواب پر سائل متعجب ہوا تو حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا ۔ تجھ پر افسوس، روٹی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی پرستش بھی نہ ہو سکتی ۔
قال عبد الله بن مسعود رضی الله عنه فی قول الله عزوجل ۔
فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من

---

[1] المبسوط ج ۳۰ ص ۲۴۸

[2] المبسوط للسرخسی ص ۲۶۵

فضل الله الخ ۔اذا فرغتم من فريضة الله فانتشروا لابتغا فريضة اخرى اى الولج والفضل ۔ بمعناه ،
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب ایک فریضہ یعنی نماز سے فارغ ہو چکے ہو تو دوسرے فریضہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہو ۔ یعنی تلاش معاش نفع اور فضل ۔

۶۔ قال شيخنا الشيخ عبدالواحد المصرى ۔

(۱) الصناعة إذا صنع لله تعالىٰ صار دينا ۔

(۲) وفى الحديث تسعة اعشار الرزق فى التجارة ۔

(۳) السعى فى الحياة عبادة ۔

(۴) وفى اليوم والليلة خمس صلوات وفى السنة ثلثون صياما ۔ وأن تحج فى العمر مرة واحدة والباقى للسعى والعمل ۔

(۵) فى المصر للناس من الاراضى قليلة لكنهم يعملون ليلا و نهارا ويحصل لهم مأت آلاف من الرزق وفى السودان اراضى كثيرة وفيها انهار كبيره ۔ لكنها مائعة لايزرعونها ولا يعملونها بل تيركونها هذه وهذه

(انتهى كلامه)

ترجمہ :

۱۔ جب صنعت کار اللہ تعالیٰ کے لیے عمل صنعۃ اختیار کرتا ہے ۔ تو سارا عمل دین بن جاتا ہے ۔

۲ ۔ حدیث میں ہے ۔ رزق کے نو حصّے تجارت میں ہیں

۳ ۔ زندگی میں سعی یعنی جدوجہد عبادت ہے ۔

۴ ۔ دن رات چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں صرف پانچ نمازیں ۔ سال بھر بارہ مہینوں

میں ایک ماہ یعنی تیس دن روزے اور عمر میں ایک بار حج ہے۔ باقی جملہ اوقات، سعی و عمل کے لیے فارغ کر دیے گئے ہیں۔

۵۔ مصر کا رقبۂ اراضی بہت تھوڑا ہے۔ لیکن لوگ رات دن کام کرتے ہیں ان کو بے شمار لاکھوں قسم کی روزی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس سوڈان میں بہت رقبۂ اراضی ہے اور بڑی بڑی نہریں ہیں۔ لیکن وہ ضائع اور برباد ہیں کھیتی باڑی کرتے ہیں اور نہ کوئی کام۔ اس کا کافی حصہ چھوڑ دیتے ہیں۔

اجارے کی شرعی حیثیت

اجارے کے معنی کرایہ اور اجرت پر کوئی چیز دینا۔ شرع میں اسے جائز اور درست تسلیم کیا گیا ہے۔ شرط یہ ہے۔ کہ فریقین کی اس میں دینی یا دنیوی منفعت ہو۔ ممنوع اور خلافِ شرع کام اس سے متعلق نہ ہو۔ زدنے بیٹھنے، کہانت یعنی جن اور بھوت کے ذریعے یا اپنے حساب کے ذریعے غیب کی خبر بتانے پر اجرت جائز نہیں ہے۔ یہ معصیت اور ممنوع باتیں ہیں۔ عمل معصیت اور اس پر تعاون اکار دبار حرام ہے۔

۱۔ عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن[1]

۲۔ عن ابی ھریرۃؓ قال نہی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن کسب الإماء[2]

(۱) ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کتّے کی قیمت، زانی عورت کا معاوضہ۔ غیب کی باتیں بتانے والے کے ہدیہ (مٹھائی) سے منع فرمایا ہے۔

(۲) ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے لونڈیوں کی زنا کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۰۵ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۰۵

کرایہ دار اپنی چیز کرایہ پہ دے گا تاکہ اس سے وہ اپنی کمائی کرے اور اصل چیز بھی اس کی ملکیت میں باقی رہے۔ اسی طرح اپنا وقت کسی کو دے دینا اور اس کے عوض اجرت مقرر کرنا۔ یا کوئی کام اپنے ذمہ لگا لینا۔ جیسے کپڑے کی سلائی۔ مکان کی تعمیر وغیرہ اس پہ طے شدہ مزدوری لے لینا۔ یہ سب جائز ہے۔ اپنی سواری، موٹر، کار، گھوڑا، اونٹ مکان، دکان کرایہ پہ دینا اجارے کی مد میں آتا ہے۔

ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم قالت واستاجر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وابوبکر رجلا من بنی الدیل هادیا خرّیتا وهو علی دین کفار قریش فدفعا الیه راحلتیهما وواعداه غار ثور بعد ثلث لیال براحلتیهما صبح ثلث [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو بطور راہبر اور راہنما کے اجرت پر لیا وہ اس وقت کفار قریش کے دین پر تھا۔ اس کو دو سواریاں سپرد کیں اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ تین دن کے بعد ان کی دو سواریاں صبح سویرے غار ثور میں لائے۔

اجارے میں پیدا ہونیوالے منافع کی رفتار سے انکی اجرت

اجارے پہ دی جانے والی اشیاء میں جو منافع مستتر ہیں یعنی پوشیدہ ہوتے ہیں معاہدۂ اجرت کے وقت ان کا خارجی وجود نہیں پایا جاتا۔ بلکہ رفتہ رفتہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ جس کی پیشگی قیمت طے کر لی جاتی ہے۔

اجرت کا حق کام پہ ہے۔ عمل کے اعتبار سے اجرت کا حساب جزبز۔ جزبز بڑھتا رہتا ہے۔ کرائے کی سواری منزل مقصود تک نہ پہنچا سکے تو جہاں تک اس نے پہنچایا

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۰۱

ہے اسی جگہ تک کے حساب سے اس کو کرایہ دینا پڑے گا۔

سُئِل الشعبی عن رجل استاجر دابۃ الی مکان فقضی حاجتہ دون ذٰلك المکان قال لہ من الأجرۃ بقدر المکان الذی انتھی إلیہ[1]

کن چیزوں میں اجارہ جائز ہے

جس چیز کے انتفاع سے اس کی اصل باقی نہ رہے۔ اسے اجارے پر نہیں لیا جاسکتا۔ شمع جلانے کے لیے طعام کھانے کے لیے اور پانی پینے کے لیے اجارے پر نہیں دیے جاسکتے۔ جبکہ ان سے انتفاع اس صورت میں ہوسکتا ہے۔ کہ ان کا اصل باقی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں یہ اجارہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بیع ہوگی۔ بیع میں اصل شیٔ کی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا اشیاء سے منفعت اٹھانے میں ان کا ہلاک ہونا لازم آتا ہے۔ اور اجارے میں اصل شیٔ کے وجود اور اس کی بقا سے منفعت حاصل کی جاتی ہے۔ تو اسے اجارہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

نوٹ: آزاد کی بیع جائز نہیں ہے۔ لیکن اسے اجارے پر لیا جاسکتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اجارے کو بیع نہیں کہا جاسکتا۔

فائدہ: جس طرح مزدور پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنے ذمہ کام پوری دیانت داری اور محنت سے سرانجام دے۔ اسی طرح مالک یعنی مستاجر بھی پابند ہے کہ کام کے اختتام پر مزدور کو پائی پائی کا حساب دے۔ حدیث شریف نے ناانصاف مالک کو خدا تعالیٰ کا حریف ٹھہرایا ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ ثلثۃ أنا خصمھم یوم القیمۃ رجل أعطی بی ثم غدر و

---

[1] المحلی لابن حزم ج ۸ ص ۲۱۹

رجل باع حرا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں قیامت کے روز تین شخصوں کا مدعی ہوں گا۔ ۱۔ جو شخص مجھے ضمانت میں پیش کرتا ہے۔ پھر دھوکا کرتا ہے۔ ۲۔ جو آزاد کو بیچ کر اس کی رقم کھاتا ہے۔ ۳۔ جو شخص مزدور کو اجارے پر لے کر اس سے کام پورا کر لیتا ہے اور اس کو مزدوری نہیں دیتا۔

معاہدۂ اجرت کی شرائط : اور احکام

اجارے کی صحت کے لیے چند امور ضروری ہیں جن کے بغیر اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔

۱۔ ہر ایک فریق کا عاقل اور باتمیز ہونا۔ لہٰذا پاگل اور بے سمجھ بچے کا عقد درست نہیں۔

۲۔ باہمی خوشی اور رضا سے معاملہ طے کرنا۔

۳۔ اجارے پر دی ہوئی چیز کی تعیین مثلاً یہ کہنا کہ ان دو میں سے کوئی ایک دوکان رکھ لو صحیح نہیں۔

۴۔ منفعت اور فائدہ یعنی جس غرض کے لیے وہ چیز اجارے پر لی گئی ہے وہ معلوم ہونی چاہیے۔

۵۔ معاوضہ اور محنت معین اور مقرر ہو تاکہ لاعلمی کے باعث اس میں نزاع پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

۶۔ (۱) مکان، دوکان اور دودھ پلانے والی عورت کو اجارے پر لیا تو مدت کا تعین۔ بغیر تعین مدت کے مستاجر کے لیے حق متعین نہیں ہوتا اور اکل مال بالباطل لازم آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ الآیۃ نیز دوکان اور

---

[1] البخاری ج ۱ ص ۳۰۲

مکان میں ان کے استعمال اور عمل کی نوعیت بیان کرنا۔

(ب) کپڑے کی سلائی اور سوت کی کتائی میں کام کی نوعیت کا ذکر کرنا کیونکہ ان میں یہی چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔

(ج) کسی سے خدمت لینے کے لیے عمل کا تعین اور مدت کا ذکر کرنا اس کے بغیر اجارہ مجہول ہوتا ہے خدمت لینے میں کام اجیر کے لائق اور مناسب ہو وہ اس کے سپرد کرے اس سے اچھا سلوک کرنے اس پر خدمت کا اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ برداشت نہ کر سکے اور اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔

(د) سواری کے اجارے میں یہ بتلانا کہ سوار ہونے کے لیے یا بوجھ اٹھانے کے لیے مطلوب ہے۔ نیز اس میں مدت اور مسافت کا ذکر کرنا۔ بوجھ اٹھانے کی صورت میں بوجھ کی نوعیت اور کیفیت کا ذکر اور اس کی وضاحت چاہیے۔

(ھ) اہل صنعت کے لیے عمل اور کیفیت عمل کا تعین مثلاً رنگ ساز کو رنگنے کے لیے مطلوبہ کپڑے دکھانا۔ رنگ کا نمونہ باریک اور گاڑھا رنگ بتلانا۔ وھذا کلہ من المجلۃ۔

نوٹ: مذکورہ بالا اشیاء کا ذکر بطور مثال آیا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جو جو امور جہاں مطلوب اور مقصود ہیں پہلے سے ان کا جتلانا اور بتلانا ضروری ہے ان کے بغیر اجارہ کا عمل ناقص رہ جاتا ہے آج کے مشنیری دور میں ہر عمل میں طرح طرح کی خوبیاں اور نزاکتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ متعدد امثلہ سے فقہاء کرام نے یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اغراض و مقاصد ہی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے لیے اجارہ عمل میں آتا ہے

ولو استاجر رجلا ليحصص له حائطا اوليطين له سطحا ولم يبين طينا ولا جصا معلوما فهو فاسد لان جهالة ذلك تفضى الى المنازعة المانعة من التسليم والتسلم فان عمل الناس فى ذلك مختلف وكل نوع منه متعارف فكان العمل المعقود عليه مجهولا فلهذا فسد

العقد وله اجر مثله إن عمل العقود لانه أوفى العمل بحكم
عقد فاسد فلا يلزمه جميع المسمى لان المستأجر
يقول أنا ما رضيت بجميع المسمى لهذا القدر من العمل[1]

کسی کو دیوار کی سفیدی اور چھت کی لپائی کے لیے مزدور رکھا۔ مٹی اور چونا لگانے کی مقدار نہیں بتائی تو یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ مقدار میں لاعلمی سے عموماً جھگڑا پیدا ہوجاتا ہے۔ جو بالآخر کارگذاری اور مزدوری کے عمل میں مانع ہے۔ لوگوں کا طریقۂ کار اور کام مختلف ہے اور مذکورہ بالا کاموں کی نوعیت متعارف ہے، لہذا عقد کے اغراض و مقاصد میں لاعلمی کے باعث اجارہ فاسد ہوگا۔ لہذا مزدور پوری مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا اور مستاجر بھی کہے گا کہ میں اس قدر ادھورے کام پر پوری اجرت دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

۷۔ اجارے کا عمل دینی اعتبار سے اجیر پر پہلے سے واجب نہ ہو۔ لہذا تعلیم القرآن پر اجارہ صحیح نہیں۔ (كما هو المعروف عند ابي حنيفةؒ)

اذا استاجر الرجل الرجل اشهرا معلومة يؤدب إبنه
ويقوم عليه في ذلك فهو جائز لانهٔ استاجر مدة معلومة
لعمل معلوم بطريق العرف وهو عمل غير مستحق على المؤدب
اقامته دينا ولا دينا والاستيجار على مثله صحيح ببدل معلوم
بخلاف تعليم القرآن فانه يستحق عليه دينا لانه في المعنى
خلافة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكل مسلم مأمور به دينا[2]

جب چند ماہ کے لیے کسی کو اپنے بیٹے کی تعلیم و تادیب اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ عرف کے مطابق ایک مخصوص عمل اس کے ذمہ لگایا۔

---

[1] المبسوط للسرخسیؒ ج ۳۰ ص ۱۴۰

[2] ایضاً

دینی طور پر جس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی اور نہ وہ اس پر قرض تھی ۔ معلوم معاوضے پر ایسی باتوں میں اجارہ صحیح ہے ۔ تعلیم قرآن پر اجارہ صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ دینی طور پر علماء و قراء اس کے ذمہ دار ہیں اور معنوی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو خلافت و نیابت حاصل ہے اور ہر مسلمان اس کا ذمہ دار ہے ۔

عقد کے لازم ہونے کی شرائط

۱ ۔ اجارے پر لی ہوئی چیز میں عیب نہ ہو جو اس سے فائدہ حاصل کرنے میں ثابت ہو ۔

۲ ۔ دورانِ استفادہ بھی اس میں عیب پیدا نہ ہو ۔

۳ ۔ دورانِ مدت اجارہ پر دی ہوئی چیز یا معاملہ کنندگان میں سے کسی کو عیب لاحق نہ ہو

۴ ۔ رونے پیٹنے ۔ کہانۃ یعنی جن اور بھوت کے ذریعے یا اپنے حساب کی مدد سے غیب کی خبر بتانے پر اجرت لینا ۔

یہ عمل معصیت ہیں ۔ معصیت پر اجارہ حرام ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ ۔ وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1]

ان تمام شقوں میں حرج ۔ مرض ، عیب ، حادثہ اور معصیۃ کی صورت میں عقد لازم نہیں ہوگا ۔

استحقاقِ اجرت اجارے کی بات چیت کرنے سے مستاجر پر فوری طور پر مزدوری دینا لازم نہیں ہوجاتا اِلّا یہ کہ

الف : مزدور کو پیشگی اجرت دے دی گئی ہو تو مزدور اس کا مالک بن جاتا ہے اور

---

[1] سورۃ المائدہ آیت : ۲

پھر مستاجر اجرت کی واپسی کا حق نہیں رکھتا۔ تا وقتیکہ مزدور اپنے معاہدے پر قائم ہو۔
ب : مزدور کے لیے پیشگی اجرت کی شرط ٹھہرائی گئی ہو تو پھر اُسے پیشگی اجرت لینے کا حق ہے۔

اجیر کی دو قسمیں

۱۔ اجیر مشترک دھوبی۔ درزی۔ ڈاکٹر۔ لوہار وغیرہ ایسے لوگ جو ہر ایک کا کام کرتے ہیں۔

ایسا مزدور اپنے عمل سے فارغ ہو گیا ہو تو وہ مزدوری لینے کا حق رکھتا ہے۔

۲۔ اجیر خاص وُہ شخص جسے خصوصی طور پر ملازم رکھ لیا گیا ہو اور اس کا وقت مخصوص کر دیا گیا ہو ایسا شخص بہر صُورت اجرت کا مستحق ہے۔ اس سے کام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔

(ضابطہ) معینہ مدت میں کسی کو تعلیم یا صنعت و حرفت سکھلانے کی غرض سے معلم مقرر کیا اور وہ اپنے اوقات میں حاضر اور مستعد رہا۔ تو وہ مشاہرہ کا مستحق ہے۔ خواہ شاگرد اس سے پڑھے یا نہ پڑھے۔

اور اگر مدت کا تعین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہے، اس صُورت میں استاذ نے شاگردوں کو پڑھایا ہو تو معلم کو اجر مثل ملے گا" لیکن کسی نے اپنا بچہ استاذ کے حوالہ کیا اور اجرت طے نہیں کی تو شہری رواج کے مطابق استاد کو اجرت لینے کا حق ہے۔ چنانچہ مرأة المجلة میں ہے:

لو استؤجر استاذ لتعليم علم أو صنعة فان ذكرت مدة انعقدت الاجارة على المدة حتى ان الاستاذ يستحق الاجرة بكونه حاضرا أو مهيئا للتعليم قرأ التلميذ أو لم يقرء وان لم تذكر مدة انعقدت اجارة فاسدة وعلى هذه الصورة ان قرء التلميذ فالاستاذ يستحق الاجرة

والا فلا[1]

نقصان کی ذمہ داری اجیر مشترک کے ہاتھوں اپنے کام کے دوران معتدبہ نقصان ہو جائے تو وہ ضامن ہے۔ خواہ اس میں اس کا قصور نہ ہو اور اجیر خاص اُس صُورت میں ضامن ہو گا جبکہ اس کی تعدی سے نقصان پہنچا ہو ورنہ وہ ذمہ دار نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ میں امین محض ہے۔

الاجیر الخاص امین حتی انه لا یضمن المال الذی تلف فی یده بغیر صنعه وکذا لا یضمن المال الذی تلف بعمله بلا تعد ایضا[2]

والاجیر المشترك یضمن الضرر والخسار الذی تولد عن فعله وصنعه ان کان بتعدیه وتقصیره أولم یکن[3]

فائدہ: اختلاف کی صُورت میں جب تک بینہ سے یہ ثابت نہ ہو کہ مزدور کی تعدی سے یہ نقصان ہوا ہے۔ اس وقت تک اس سے تاوان نہیں لیا جا سکتا (المحلی)

قال ابن شبرمة لا یضمن الصانع الا ما اعنت بیده وقال قتادة اذا ضیع[4]

فسخ اجارہ

۱۔ اجارے میں اول سے لے کر آخر تک عقد کرنے والے زندہ رہیں۔ ان میں کسی کی موت سے اجارہ ختم ہو جاتا ہے۔

---

[1] مرآۃ المجلہ جلد ۱ ص ۲۷۶۔

[2] مرآۃ جلد ۱ ص ۳۰۰/۳۰۱۔

[3] مرآۃ جلد ۱ ص ۳۰۰/۳۰۱۔

[4] المحلی لابن حزمؒ جلد ۸

۲۔ کرایہ پر دی ہوئی چیز خراب ہو جائے اور کار آمد نہ رہے اس سے مطلوب فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو بھی اجارہ ختم ہو جاتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولا تکسب کل نفس الا علیہا [1]

ترجمہ: نہیں کماتی کوئی جان مگر اپنے نفس پر۔

جب نفس کا سبب ہی نہ رہا سعی و عمل ختم ہو گیا تو اب معاہدۂ اجرت کہاں باقی رہا

۳۔ اجرت پر دی ہوئی چیز مرنے والے کے ملک سے نکل کر وارثوں کے ملک میں داخل ہو جاتی ہے تو وہ منافع جو ابھی سر دست ناپید ہیں۔ اب وہ دوسرے غیر معاہد کے ملک میں حادث ہوں گے غیر مستاجر کے ملک سے منافع حاصل کرنا اور اشیاء اجارہ کو اپنے تصرف میں رکھنا اصل مالکوں کو واپس نہ کرنا جن سے عقد نہیں ہوا زیادتی اور ظلم ہے۔

۴۔ فریقین میں سے کرایہ دار یا سواری کے مالک کو خوفِ دشمن۔ بیماری یا وقتی سفر وغیرہ در پیش ہو جس کی وجہ سے اجارے کا باقی رکھنا مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ الایۃ [2] (۔ ھذا کلہ من المحلی لابن حزمؒ۔)

رائج معاہدہ میں غیر شرعی نکات

اجارہ فاسدہ | ایسی وجوہات اور شرائط جو تقاضاء عقد کے خلاف ہوں۔ ان سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے مثلاً منفعت معلوم نہ ہو۔ پیشگی اجرت طے نہ کی جائے۔ طلب اجارے کی مدت مقرر نہ کی جائے نقصان کا ذمہ

---

[1] سورۃ الانعام آیت : ۱۶۴

[2] سورہ الحج آیت : ۷۸

مستاجر پر ڈال دیا جائے وغیر ذلک۔

اجرت کا حکم اجرت میں لاعلمی ہو تو اجر مثل دینا پڑتا ہے۔ یعنی اس طرح کے معیاری کاموں پر عام طور پر بازار میں جو مزدوری ملتی ہے اس کے برابر مزدوری مقرر کرنا۔

اجرت میں لاعلمی نہ ہو لیکن دوسری شرائطِ اجارہ نہ پائی جائیں مثلاً منفعت معلوم نہ ہو۔ مدت کا تعین نہ ہو وغیر ذلک تو پھر اجر مثل میں یہ شرط ہے کہ وہ مقررہ اجرت سے زائد نہ ہو۔

غرضیکہ اسلام نے خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں نزاع اور خطرے سے خالی معتدل اور مفید نظام پیش کیا ہے۔ اسلام نے جزوی اور شخصی فائدے کے پیش نظر عوام کے استیصال کی اجازت نہیں دی۔ ایسی شرائط جن میں کسی ایک فریق کا مخصوص فائدہ مستتر ہو اسے شرع نے فساد کا موجب قرار دیا ہے۔ قرض حسنہ پر سود لینا۔ سود اسلف میں خطرے اور اندیشے کا معاملہ کرنا تھوڑی رقم دے کر کسی بڑے نفع کا جھانسہ دینا اسے جوئے کا عنوان دیا ہے۔ اسلام نے افراط تفریط ظلم اور تعدی اور نقصان سے پاک معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

غلط کاروبار کی چند مثالیں دکانوں کا سیکورٹی اور پگڑی سسٹم، حقوق کی فروخت، مضاربت میں کاروبار کرنے والے کو شریک نقصان سمجھنا جبکہ شرعاً نقصان صرف سرمایہ کار (رب المال) کا ہونا چاہیے اس شرط پر گاڑی کرایہ پر دے جانا کہ اتفاقی نقصان کی صورت میں کرایہ دار اس کا ذمہ دار ہے وغیر ذلک ہمارے زمانہ میں جلب منفعت کا طریقہ جدید بنک تعمیر سسٹم بھی غیر شرعی معاہدۂ اجرت میں داخل ہے۔

پگڑی سسٹم پگڑی کی شرح یہ ہے کہ دکاندار ایک اچھی خاصی رقم دے کر مالک کی بجائے دکان کسی اور شخص کے حوالے کرتا ہے اور پھر یہ سلسلہ چل پڑتا ہے مالک مقررہ معیاد کے اختتام پر کرایہ دار سے دکان خالی کرا سکتا ہے اور نہ کرایہ

بڑھانے کی دسترس رکھتا ہے لبا اوقات قانون بھی اس کی مدد کرنے میں عاجز رہ جاتا ہے غور کرنا چاہیے کہ کرایہ دار کو دوران مدت دکان کا قبضہ اور تصرف حاصل تھا تو صرف اس لیے کہ وہ اس کے ذریعے دوکان سے منافع حاصل کر سکے تصرف اور قبضہ بذاتہ کوئی مال نہیں ہے جسے کرایہ دار فروخت کر سکے یا دکان پگڑی سسٹم کے تحت کسی اور کے پاس ایک مخصوص رقم کے عوض رہن رکھ سکے۔

سیکورٹی سیکورٹی کی شرح یہ ہے کہ مالک بطور سیکورٹی دکاندار سے کرایہ کے علاوہ کم از کم ایک سال کے کرایہ کے برابر رقم وصول کر لیتا ہے گویا جیسے وہ دکان اس کے پاس گروی ہے تا وقتیکہ وہ دکان خالی کر کے مالک کے حوالہ نہیں کریگا وہ رقم اس کے پاس ضبط ہوگی اس سسٹم پر باقاعدہ رقم بڑھانے کے لیے بولی لگتی ہے اسی طرح حقوق کی فروخت اور معلومات کا عوض لینا بلا عوض مال کے بیع اور اجارہ یا شرعی معاملات میں کسی معاملہ کی مد میں نہیں آتا۔

اخبار فروش اخبار فروشوں میں یہ طریقہ رواج پذیر ہے کہ ایک اخبار فروش جب اپنی کسی مصروفیت کے پیش نظر اس کام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو کسی دوسرے آدمی کو اپنا ریکارڈ اور اپنے گاہک بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تجھے مستقل گاہک دیے ہیں اس کے عوض اس سے رقم کا مطالبہ کرتا ہے ان کی آپس میں بات طے ہو جاتی ہے۔

حقوق اور معلومات کے ساتھ تعاون اور امداد کرنا احسان اور تبرع میں داخل ہے اس کا بہت بڑا ثواب اور درجہ ہے لیکن اس سے روپیہ کمانا اور اسے مال کے حصول کا ذریعہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہے یہ اس طرح بہت بڑی خست اور گھٹیا خصلت ہے۔

بنک تعمیر سسٹم اس کا مطلب یہ ہے کہ مالکان کی اجازت سے بنک کے لیے حسب قرار داد بلڈنگ تعمیر کی جاتی ہے اور اس تعمیر پر جتنا خرچ ہو جائے وہ مالکوں پر قرض متصور اور قرض کے بدلے ان کو اس تعمیر کا مالک بنا دیا جاتا ہے بنک اس بلڈنگ کو استعمال میں لاتا ہے اور معقول کرایہ کے توسط سے بالاقساط کرایہ منہا کر کے قرض وصول کیا جاتا ہے۔ جب قرض مکمل وصول کر لیا جاتا ہے تو پھر مالکانہ رقبہ

اراضی کے مکمل مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔

مالکوں سے اجازت لے کر بنک بلڈنگ تعمیر کرنا اور اسے قرض کی شکل میں بدلنا اور بالاقساط کرایہ کے تحت اس کی وصولی عمل میں لانا شرعاً اس کی کوئی نظیر نہیں ہے قرض محض احسان ہوتا ہے اور مذکورہ بالاصورت میں مشروط ہو گیا ہے اگر قرض مطلق ہوتا تو مالک زمین دینے کا پابند نہ ہوتا اور بنک کے لیے اس میں جلب منفعت کی صورت پیدا نہ ہوتی اور نہ یہ سلسلہ قائم ہوتا۔

سیلور ریفل سکیم

سیلور ریفل سکیم بھی ناجائز منافع خوری کے لیے قائم کی گئی ہے۔ انعام کا لالچ دے کر کمپنی بہت بڑی خطیر رقم جمع کر لیتی ہے اس طرح کی کمائی کو وہ کاروبار سمجھتی ہے ستم بالائے ستم یہ کہ ریس۔ جوا اور ربا کی حرمت کے سرکاری اعلان کے باوجود ارباب اختیار نے اس کی اجازت دے دی ہے قدیم جہالت کا دور اس جدید مدعیٔ اسلام معاشرے میں پھر لوٹ آیا ہے۔ عالمی سطح پر اتنا بڑا غلط کاروبار اور جوا، اس پر یہ دعویٰ کہ اس میں اسلام کے منافی کوئی بات نہیں بڑی دیدہ دلیری ہے کمپنی کا معاملہ ایک ٹھیکیدار کا ہے جو بازی گروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کی شکست اور فتح سے ان کے مال پر چھاپہ ڈال کر اپنے لیے بہت کچھ کما لیتا ہے اس طرح کے عمل سے چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز ہوتا ہے۔ فرمان خداوندی كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (سورۃ حشر)۔ (دولت کی گشت صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں نہ ہو) کے علی الرغم اس سکیم میں معمولی حیثیت کے لوگوں سے ایک ایک کوڑی وصول کر کے ان کی معاش تباہ کرنے کی سازش کی گئی ہے یہ سکیم سودی کاروبار سے بھی بدتر ہے سود خوروں کو راس المال سے محروم نہیں کیا جاتا سود کے مال کو تجارتی کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے جتنا نفع ہو مالکوں کو اس کی مقرر شرح کی شرط پر اضافی رقم دی جاتی ہے اس میں شرح کی شرط مقرر کرنے کی وجہ سے وہ سود بن جاتا ہے لیکن غضب ہے کہ اس سیلور ریفل سکیم میں عوام کے پائی پیسہ کو داؤ میں لگا کر اسی رقم کی بچت کو نفع سمجھ لیا جاتا ہے اور اسی رقم سے کمپنی کے اخراجات پورے کر کے عوام سے پر فریب طریقہ سے چھینی ہوئی دولت کو انعام کا نام دیا جاتا ہے۔

دوسری طرف طمع کے مارے ہر شخص بے چین ہے کہ کہیں اس کے نام کا قرعہ نکل آئے بغیر محنت ومشقت اور کسی معاوضے کے بغیر یہ شخص بازی جیت لے اور جلد از جلد اتنی بڑی خطیر رقم کا یہ مالک بن جائے اس طرح کی سکیمیں انسانی افراد کو بیکار اور آوارہ کر دیتی ہیں جفاکشی اور حلال کمائی سے باز رکھنے کی یہ کیا ہی شیطانی چال ہے۔ ربا اور جوئے سے جو دولت حاصل ہو اور معاشرے میں بے شمار خرابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو اس میں خدمت خلق کا دعویٰ کرنا بے معنی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوٹ کھسوٹ کا مال جمع کر کے بطور نمائش اس میں چند مسکینوں اور فقیروں کو ایک ایک کوڑی دی جائے اور خلق خدا سے دھوکہ کیا جائے اللہ تعالیٰ ایسی چالوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

حدیث "المسلمون علی شروطہم" کا تحقیقی جائزہ

جواز اور عدم جواز کی شرائط میں حدیث مذکور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی مسلمان اپنے معاملات میں جو شرائط طے کر لیں ....

..... اسلام میں ان کی یہ شرائط معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ ہر فریق کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ دوسرے سے ان شرائط کی پابندی کرائے۔ اجرت کا استحقاق بھی ان شرائط کی پابندی پر منحصر ہے۔

امام بخاریؒ نے حدیث سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے۔ ان سے شرائط کی حیثیت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

ولم یر ابن سیرین وعطاء وابراھیم والحسن باجر السمسار بأسا۔ قال ابن عباس لا بأس ان یقول بع ھذا الثوب فما زاد علی کذا وکذا فھو لك وقال ابن سیرین اذا قال بعہ بکذا وکذا فما کان من ربح فھو لك او بینی وبینك فلا بأس بہ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون عند شروطھم[۱]

---

[۱] بخاری ج ۱ ص ۳۰۳

ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن۔ دلالی کرنے والے کے اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کہ دلال سے مالک کہے۔ یہ کپڑا فروخت کرو۔ مقررہ حد سے جتنی قیمت بڑھ جائے وہ تیری ہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب مالک دلال سے کہتا ہے۔ اس چیز کو اتنے پر بیچ لو جو نفع ہوگا وہ تیرا ہوگا۔ یا ہمارے درمیان مشترک ہوگا۔ تو یہ درست ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مسلمان اپنے شرائط پر ہیں۔

ظاہر ہے کہ نفع میں طے کردہ کمی بیشی کی ہر شرط فریقین کی مرضی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ شرع میں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔

ترمذی میں اس حدیث کی تحدید و تقیید بیان کر کے اس کے مفہوم کو وسیع تر کر دیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاملات میں ایسی صلح اور شرائط جو عرف و عادت کے اعتبار سے فریقین کے مفاد میں ہوں وہ صلح اور جملہ شرائط شرع میں معتبر اور قابل تسلیم نہیں۔ الّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی حلال اشیاء کا حرام کیا جانا یا حرام اشیاء کا حلال کیا جانا لازم آئے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا أو احل حراما والمسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما قال الترمذی هذا حدیث حسن[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلح مسلمانوں کے مابین جائز ہے۔ الّا یہ کہ جو صلح حلال کو حرام قرار دے یا حرام کو حلال قرار دے۔ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔ سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام ٹھہرائے یا حرام کو حلال ٹھہرائے۔ ترمذی نے

۱؎ ج ۱ ص ۱۹۶

کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔
امام شمس الائمہ السرخسیؒ اس حدیث کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں۔
والصلح الذی حرم حلالا وهوأن يصالح احدی زوجته علی أن لا يطأ الأخرى . اويصالح زوجته علی ان لا يطأ جاربنه .
وہ صلح جو حلال کو حرام کر دیتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ
ا ۔ اپنی ایک بیوی سے اس بات پر صلح کرے کہ وہ دوسری سے وطی نہیں کریگا۔
۲ ۔ اپنی بیوی سے اس بات پر صلح کرے کہ وہ اپنی لونڈی سے وطی نہیں کرے گا۔
والصلح الذی احل حراما هوأن يصالح علی خمرا وخنزير وهذا النوع من الصلح باطل عندنا وحمله علی هذا أولی لان الحرام المطلق ماهو حرام بعينه والحلال المطلق ماهو حلال بعينه[1]
وہ صلح جو حرام کو حلال کر دیتی ہے ۔ وہ یہ کہ شراب اور خنزیر پر صلح کرے ہمارے ہاں یہ نوع صلح باطل ہے ۔ حدیث کو اس پر محمول کرنا اولی ہے۔ یعنی ایک جائز اور مباح چیز کو شرط کے ساتھ حرام کر دینا مراد ہے ۔ ورنہ حرام مطلق تو بعینہ حرام ہوتا ہے ۔ وہ حلال کر دینے سے حلال نہیں ہوتا اور حلال مطلق تو بعینہ اپنی ذات کے اعتبار سے حلال ہوتا ہے ۔ وہ حرام کر دینے سے حرام نہیں ہوتا ۔

قول فیصل سلسلۂ شرائط میں امام سرخسیؒ بطور قول فیصل ارشاد فرماتے ہیں ۔
وفيه دليل انه انما يجوزان يشرط فی الصلح مالا يكون مخالفا لحكم الله تعالىٰ وأما الذی يكون

---

[1] المبسوط للسرخسی جلد ۲۰ صـ ۱۳۴

مخالفا لحکم اللہ تعالی لا یجوز اشتراطه فی الصلح لقوله صلی اللہ علیه وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل وان کان مائة شرط معناه لیس فی حکم اللہ فالمراد بالکتاب الحکم کما قال اللہ تعالی کتاب اللہ علیکم[1]

حدیث مذکور یعنی کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل، میں اس امر پر دلیل ہے کہ صلح میں ایسی شرط لگائی جائے جو اللہ تعالی کے حکم کے مخالف نہ ہو۔ جو شرط اللہ تعالی کے حکم مخالف ہوگی۔ صلح میں ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہر وہ شرط جس کا ذکر اللہ تعالی کی کتاب میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگرچہ اس قسم کی سو شرائط ہی کیوں نہ ہوں یہاں کتاب اللہ سے مراد حکم اللہ ہے۔ یعنی اللہ تعالی کا حکم جیسا کہ آیت، کتاب اللہ علیکم میں۔ یعنی اللہ تعالی کا تم پر حکم ہے۔

حدیث المسلمون علی شروطهم سے متفرع ہونیوالے احکام

۱:۔ معاملہ کی وہ تمام شرائط جو عرف و عادت میں پائی جاتی ہوں۔ فریقین کے حق میں مفید ہوں۔ ان کا جاہلیت اور اسلام میں بدستور جواز مسلم ہے۔

۲:۔ فریقین کے مابین بیع و شراء کے معاملے کو طے کرنے والے شخص کو دلال کہتے ہیں عربی میں دلالی کو سمسرہ اور دلال کو سمسار کہتے ہیں۔ شرع میں اسے جائز تسلیم کیا گیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث لا یبع حاضر لباد[2] کا مفہوم یہ بتلاتے ہیں کہ بغیر دلال کے شہری آدمی دیہاتی پر سودا سلف فروخت نہ کرے۔ کیونکہ بغیر دلال کے اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس حدیث سے اتنی بات بآسانی معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ دلالی کا معالمہ جائز اور درست ہے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں دلالی کا مسئلہ جو اس وقت مروج اور معمول ہے۔

---

[1] المبسوط للسرخسی ج ۲۰ ص ۱۳۸

[2] بخاری ج ۱ ص ۳۰۳

ذرا تفصیل سے عرض کر دیا جائے۔

دلالی کی تین صورتیں ہیں :

۱۔ کسی مخصوص چیز کی خرید و فروخت پر اجرت مقرر کر لی جائے مثلاً فلاں مکان یا دوکان پر یک صد روپے طے کئے جائیں یہ معاملہ فاسد ہے۔ فہذا فاسد لعمل مجہول۔ اس لیے کہ معلوم نہیں کہ اس کام کی تکمیل میں کتنی محنت صرف کرنا پڑی ہے۔

فان الشراء قد یتم بکلمة وقد لا یتم بعشر کلمات۔

کبھی تو یہ کام صرف بات میں ہو جاتا ہے کبھی دس باتوں میں بھی پورا نہیں ہوتا پھر یہ کام خود دلال کے بس کا نہیں ہے جب تک اس کے بائع یا مشتری کی اس کے ساتھ موافقت نہ ہو اس کے بغیر تکمیل نہیں ہو سکتی

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دن رات، ایک ماہ یعنی مدت معین کے لیے دلال کی خدمات حاصل کی جائیں اور اجرت مقرر اور متعین ہو یہ جائز ہے ان دو صورتوں میں انجام کے اعتبار سے فرق یہ ہوگا کہ پہلی صورت میں چونکہ معاملہ فاسد ہے جب دلال کام پورا نہیں کرے گا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں دلال کی خدمات حاصل کی گئی تھیں جو اس کی اختیاری چیز تھی اس نے کام کی تکمیل میں کوشش صرف کر دی لیکن اتفاق سے کام نہیں ہوا ہاں اگر خدمات کی بجائے اس کے ذمہ کام ہوتا تو یہ بعینہ پہلی صورت بن جاتی ہے کام پورا کرنے پر کام کے مطابق اجرت کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ پوری اجرت کا کام کے مطابق مزدوری کو اجرت مثل کہتے ہیں معاملہ فاسد ہو تو اجرت مثل مقررہ اجرت سے زیادہ نہیں دی جاتی لیکن خدمات حاصل کرنے کی صورت میں مدت معینہ کے بعد مقررہ اجرت دینا پڑتی ہے خواہ کام ہو یا نہ ہو۔

الا ترى أنه لو سلم اليه نفسه فى جميع اليوم استوجب الاجر وان لم يتفق له بيع أو شراء بخلاف الاول فالمعقود عليه هناك البيع والشراء حتى لا يجب

الاجر بتسليم النفس اذا لم يعمل به ثم فيما كان من ذٰلك فاسدا اذا اشترى أو باع فله اجر مثله ولا يجاوز به ما سمى له لانه استوفى المعقود عليه بحكم اجارة فاسدة[۱]

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ۔ دلال کو کام بتا دیا جائے جب کام سے فراغت ہو جائے اور کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے (یہ شرط ہے) تو کام کے مطابق معاوضہ دے دیا جائے اس صورت میں یہ شخص وکیل معین کا کردار ادا کرے گا یہ صاحبینؒ کا قول ہے گو امام ابوحنیفہؒ سے یہ جزئیہ منقول نہیں ہے لیکن قواعد کی رو سے آپ ان کی مخالفت میں بھی نہیں ہیں۔ اشیاء موہوبہ میں معاوضہ دینا سب کے نزدیک مندوب ہے تو منافع کے ہبہ میں بھی اتفاق ہونا چاہیے۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

وقال ابو يوسف و محمد ان شاء امره بالبيع والشراء ولم يشترط اجراً فيكون وكيلا معينا له ثم يعوضه بعد الفراغ من العمل مثل الاجر وابو حنيفة فى هذا لا يخالفهما فان التعويض فى هبة الاعيان مندوب عند الكل فكذلك فى هبة المنافع وقد احسن إليه بالاعانة وانما جزاء الاحسان إلا الاحسان۔ (هذا كله من المبسوط للسرخسیؒ)[۲]

۴۔ حدیث مذکور میں استثناء یعنی الا ما حرم حلالا أو حلل حراما کے اضافے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مکاتبہ کی پیشگی رضا سے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسا حدیث

---

[۱] المبسوط للسرخسی ج ۱۵ ص ۱۱۵

[۲] ایضاً

بریرہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے۔

۵ ۔ ولاء کا حق یعنی غلام لونڈی کی موت پر ان کے مال اور جائداد کا حق اس مالک کو حاصل ہے۔ جس کے ملک پر آزادی حاصل ہو اور بیع کے وقت مکاتبہ سے ولاء کی شرط لگانے والے مالک کا کوئی حق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان ہے۔ الولاء لمن أعتق ۔

۶ ۔ امام ابوحنیفہؒ حدیث شروط کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ وہ انکار پر صلح کو جائز سمجھتے ہیں مثلاً ایک شخص اس بات کا انکار کرتا ہے کہ میں نے زید کا قرض نہیں دینا اس کا دعویٰ جھوٹا ہے ۔ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ اس پر صلح کرتا ہے کہ میں اس کے دعویٰ کے مطابق اس کا نصف قرضہ دے دوں گا۔

امام شافعیؒ ایسی صلح کو جائز نہیں سمجھتے ۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس پر صلح جائز ہے کیونکہ اس صلح میں ایسی کچھ مصلحتیں ہیں جس کی بناء پر وہ صلح پر آمادہ ہوا اگرچہ اس میں اس کو تاوان ادا کرنا پڑ رہا ہے ۔ اس کی نزاکت وہی جانتا ہے قاضی یا مفتی اس حادثہ میں مبتلا نہیں ہے وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ والصلح خیر۔ اور صلح کی حدود بھی شرائط پر مبنی ہیں شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جن کو فریقین تسلیم کر لیں اور وہ براہ راست نصوص سے متصادم نہ ہوں۔ والتفصیل یطول ۔

سرکاری ملازمین کے اعتبار سے معاہدۂ اجرت

ا ۔ سرکاری ملازمت کے اعتبار سے معاہدۂ اجرت کے تحت وہ سب قواعد و ضوابط واجب العمل ہیں جو غیر شرعی نکات سے خالی ہوں جن کا ذکر رائج معاہدۂ اجرت میں غیر شرعی نکات کے عنوان کے تحت، چند مختصر اصولوں اور مروجہ غلط سکیموں کے ذیل میں کیا گیا ہے ۔

۲ ۔ رخصت اور ڈیوٹی کے اوقات کا تعین جانبین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے

— جس نے بخوشی سرکاری ملازمت اختیار کرلی تو گویا اس نے تمام کوائف اور شرائط کی پابندی اپنے اوپر لازم کردی ہے ۔ اب ان پر عمل کرنا واجب ہوگیا ہے ۔

۳ ۔ جن باتوں کا صراحۃً تذکرہ نہیں ہوا اور عملاً وہ باتیں مروج اور معمول ہیں ۔ وہ بھی واجب العمل ہوں گی ۔ المعروف کالمشروط تو وہ گویا کوائف میں داخل ہیں ۔

۴ ۔ خصوصی مشاہرہ کے علاوہ ملازمین کے لیے دیگر مراعات اور سہولتیں اچھی کارگزاری پر انعامات اور ترقی بھی حقوق میں داخل ہے ۔ ان لوگوں سے اضافی سلوک کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی، سست اور کاہل لوگوں کی ڈانٹ ڈپٹ کرنا ایک گونہ مقاصد کو آگے بڑھانا ہے ۔

۵ ۔ تنخواہ تو ایام عمل کی ہوتی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے ۔ تاکہ استراحت کرکے ایام عمل میں مستعد اور آمادہ ہو ۔ اسی طرح بیماری کے ایام بھی عمل سے مستثنیٰ ہوں گے اور ان کی اجرت دینا پڑے گی الّا یہ کہ طویل اور ممتد بیماری ہو جس سے کام میں حرج واقع ہو پھر حسب دستور اجرت دینا ہوگی ۔

۶ ۔ اس ضابطہ کے تحت ملازمین سے ان کی مقررہ ڈیوٹی کے علاوہ اگر کام لیا جائے گا تو ان کو اس کی اجرت دینا پڑے گی ۔

۷ ۔ ماوجب کی ادائیگی کے سلسلہ میں ملازمین کے لیے انکا داجبی تحفظ اور ان کو سکون اور آرام پہنچانا سرکار کے ذمہ ہے ۔

۸ ۔ وقت کی پابندی[1] ۔ ذمہ کام کی تکمیل[2] ۔ قواعد وضوابط[3] کی پابندی اور تعمیل ۔ اساتذہ[4] میں افہام وتفہیم کے لیے موزوں اور مفید تعبیر اختیار کرنا ۔ دروس[5] کا استحضار ۔ ایسا نہ ہو کہ دوران درس طلبہ کی نظر استاذ کے چہرہ پر اور استاذ کی نظر کتاب کے حواشی یا تیار کردہ نوٹس پر ہو وغیر ذلک ۔

سرکاری ملازمین کی بیمہ پالیسی اور اس میں اصلاحات جن سے ان کا نقصان رفع ہو جائے

۱ ۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی متبادل صورت جس کو اعانت علی نوائب الحق سے

تعبیر کرتے ہیں یعنی آسمانی آفات اور مصائب کے پیش آنے پر عامۃ الناس کی امداد کرنا۔

۲۔ بیت المال میں مستقل طور پر ایسے شعبہ کا قیام جس میں ہنگامی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کفایت ہو۔

اسلامی اصولوں کو دیکھئے تو وہ پیشگی شرائط کے بغیر مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کے بغیر حادثہ سے دوچار ہونے والے ہر شخص کی مدد کرنا اخلاقی فرض قرار دیتے ہیں۔

مروجہ بیمہ پالیسی جوئے اور سود کی مد میں آتی ہے اس کی اکثر اصطلاحات غیر شرعی اور ناجائز منافع خوری پر مبنی ہیں جب تک اخلاق و اعمال اصلاح پذیر نہیں ہوتے اس وقت تک ہماری مالی پالیسیاں صحیح نہیں ہوسکتیں لن تصلح اٰخر ھذہ الأمۃِ إلّا بما صلح بہ اولھا۔

اس امت کا آخر اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا مگر اس طریقہ اور عمل سے جس سے اس کا اول اصلاح پذیر ہوا ہے۔

۳۔ حضرت مولانا محمد طاسین مدظلہٗ اپنے مقالہ بیمہ میں تحریر فرماتے ہیں "اب رہا یہ سوال کہ کیا معاملۂ بیمہ کی ایسی شکل بھی ہوسکتی ہے جو شریعت اسلامیہ کی رُو سے جائز و درست ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوسکتی ہے اور وہ احسان و تبرع پر مبنی انجمن امداد باہمی کی شکل ہے جس میں شریک ہر شخص بیمہ فنڈ میں جو مال جمع کرے اپنے کسی مادی اور مالی فائدے کی غرض سے نہیں بلکہ محض انجمن کے دوسرے شرکار کے فائدہ کی غرض سے جمع کرے نیز وہ مال زکوٰۃ وصدقات کی مد سے نہ ہو بلکہ ذاتی مال سے بطور احسان و ہدیہ ہو کیونکہ یہ فنڈ جن لوگوں کی امداد کے لیے قائم کیا گیا وہ مساکین نہیں بلکہ اغنیا رہیں۔ جن کو صدقہ اور زکوٰۃ کا مال تو نہیں دیا جا سکتا البتہ ہدیہ اور ہبہ دیا جا سکتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ایک حدیث نبوی ہے " تھادوا تحابّوا۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور باہمی محبت پاؤ"۔

اور چونکہ بیمہ کی مذکورہ شکل، معاوضے والی شکل نہیں جس میں شریک ہر شخص اور ہر فریق اپنے دیئے ہوئے مال کا مادی اور مالی معاوضہ چاہتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ جس

شخص کو بیمہ کی مقررہ مدت میں متوقع حادثہ پیش نہیں آتا اُس کو اس کے مال کا عوض نہیں ملتا، بلکہ یہ شکل تبرع و احسان والی شکل ہے جس میں شریک کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کو اس کے دیے ہوئے مال کا معاوضہ ملے اگرچہ مقررہ مدت میں متوقع حادثہ رونما ہو جائے تو اس کو دوسروں کی طرف سے مال مل جاتا ہے جو بطور عوض نہیں بلکہ بطور احسان و تبرع ہوتا ہے بہرحال یہ اس کا مقصود نہیں ہوتا اور مقررہ مدّت میں متوقع حادثہ رونما نہ ہو تو اس کو دیا ہوا مال واپس نہیں ملتا بلکہ بلا عوض دوسروں کو مل جاتا ہے اور دوسروں کو مل جانے سے اس کی کوئی حق تلفی واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس نے جس وقت اپنا مال بیمہ فنڈ کو بطور تبرع واحسان دیا اُسی وقت وہ اپنے حق سے دستبردار ہوگیا چنانچہ جب حق ہی نہ رہا تو پھر حق تلفی کا کیا سوال، اس صورت میں اگرچہ اس کے سامنے کوئی مادی اور مالی عوض نہیں ہوتا لیکن ایک معنوی عوض ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس احسان کی بدولت انجمن کے ارکان سے اس کے تعلقات زیادہ خوشگوار اور اطمینان بخش ہوں گے اور عزت میں اضافہ ہوگا جس طرح کہ مسکین کو صدقہ دینے والے کے سامنے اگرچہ کوئی مادی عوض نہیں ہوتا لیکن اللہ کی رضا و خوشنودی اور اخروی اجر و ثواب کی صورت میں معنوی اور روحانی عوض موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے۔" فقط

أقول قولی هذا واستغفر الله لی ولسائر المسلمین وصلی الله تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہٖ وصحبہٖ المکرمین۔ وسلّم تسلیما کثیرا کثیرًا ط